مصحفِ عثمانی تاشقند میں

طٰہٰ ولی
ترجمہ و تلخیص: صفدر سلطان اصلاحی

دورِ حاضر میں دنیا کے کچھ مسلم اور غیر مسلم ممالک کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہاں قرآن مجید کا وہ قدیم نسخہ موجود ہے جسے خلیفۂ سوم سیدنا عثمانؓ نے لکھوایا تھا۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ۲۵ھ یا ۳۰ھ میں صحابۂ کرامؓ کی ایک چار رکنی کمیٹی تشکیل دی تھی جو حضرت زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمان بن الحارث رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی۔ انھوں نے اس کمیٹی کے حوالہ وہ نسخہ کیا جو ام المؤمنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بن الخطاب کے پاس تھا اور اس کمیٹی کو اس کے مطابق متعدد نسخے تیار کرنے کا حکم دیا۔ اختلاف کی صورت میں قریش کے لہجہ کو اختیار کرنے کی ہدایت تھی کیونکہ قرآن مجید کا نزول قریش کے لہجہ میں ہوا ہے۔ اس کمیٹی نے قرآن پاک کے جو نسخے تیار کئے تھے ان کی تعداد راجح قول کے مطابق سات تھی۔ حضرت عثمانؓ نے یہ نسخے مکہ مکرمہ، شام، بحرین، یمن، کوفہ اور بصرہ کی طرف بھیج دیئے اور اپنے مخصوص نسخہ کو جس کو مصحف امام کے نام سے جانا جاتا ہے مدینہ میں اپنے پاس رکھا۔ اس مصحف کا نام "مصحفِ امام" کیوں رکھا گیا اس کا جواب مصطفیٰ صادق رافعی نے اپنی کتاب "اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ" میں اس طرح دیا ہے:۔ "بعض روایتوں میں ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے پاس قرآن کی تلاوت کرنے والوں کے درمیان پیدا شدہ اختلافات کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے کہا تم مجھ سے قریب ہوتے ہوئے قرآن کی اعراب میں غلطی کرتے ہو اور اس میں چھوٹی باتوں کی آمیزش کرتے ہو تو جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تم سے زیادہ اعرابی غلطیاں کر رہے ہوں گے پس اے محمدؐ کے اصحاب! آپ لوگ اکٹھا ہو کر ایک 'امام' کی کتابت کرلیں" جب اس کی

کتابت مکمل ہوگئی تو حضرت عثمانؓ نے اس کے علاوہ تمام نسخوں کو جلا دینے کا حکم دے دیا کیونکہ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ متعدد نسخوں کی موجودگی مستقبل میں اختلاف کا سبب بن جائے گی۔ خلیفۂ راشد اپنے اس اقدام سے ابتدا ہی میں اختلاف کی جڑ کاٹ ڈالنا چاہتے تھے اس لئے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس معاملے کی سنگینی میں اضافہ ہوتا جاتا اور اس سے فتنہ پرور افراد کو اپنے عزائم کی تکمیل کا موقعہ مل جاتا۔

حضرت حفصہؓ کا وہ نسخہ جس کی بنیاد پر یہ اہم کام انجام دیا گیا بعد میں انھیں واپس کر دیا گیا۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ نے اس کی واپسی کا وعدہ کیا تھا۔ البتہ انھوں نے یہ شرط لگا دی کہ ان کی وفات کے بعد اسے جلا دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت حفصہؓ کی وفات حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں ۴۵ھ / ۶۶۵ء میں ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے جلانے کی اجازت دے دی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق اس مصحف کو مدینہ کے گورنر مروان بن حکم نے جلایا۔ حضرت حفصہؓ کی وفات کے وقت مروان بن حکم مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ مروان نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور میت کے ساتھ جنت البقیع گئے جہاں ان کی موجودگی میں انہیں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ نسخہ کے جلانے میں اس تاخیر کی وجہ شیخ محمد عبدہٗ نے اپنی کتاب "المعجزۃ الکبریٰ القرآن" میں یہ بیان کی ہے: "ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ اس نسخہ کو اپنے پاس رکھنے کی شدید خواہش رکھتی تھیں ان کو اس کی جدائی کسی طرح گوارا نہ تھی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ جیسے شریف آدمی نے ان کو اس آرزو اور تمنا سے محروم کرنا پسند نہیں کیا اور اسے انھیں واپس کر دیا۔ لیکن چونکہ وہ خود قرآن کے معاملے میں بہت محتاط تھے انھیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں یہ نسخہ کسی ایسے فرد کے ہاتھ نہ لگ جائے جو اس میں کچھ ردوبدل کر کے یہ دعویٰ کر دے کہ قرآن کا اصل نسخہ یہی ہے اور لوگ اس پر اعتماد کر کے اپنے معاملات میں فیصلہ لینے لگیں، اس لئے انھوں نے اس کو حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد جلانے کی ہدایت کر دی۔ اس سے قرآن کے سلسلے میں ان کی غایت درجہ اہتمام کا ثبوت ملتا ہے۔"

سوویت روس کے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ تاشقند کے مذہبی شعبہ کی لائبریری میں موجود

قرآن کا نسخہ ہی وہ اصل نسخہ ہے جسے حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں لکھا گیا تھا چنانچہ وہ اس نسخے کو "مصحفِ عثمانی" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان کے اس خیال کی تائید بعض دوسرے ممالک کے علماء نے بھی کی ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سوویت روس کے مسلمانوں کی طرح ہر دور اور ہر جگہ کے مسلمانوں کے نزدیک قرآن پاک کا یہ نادر اور انمول نسخہ باعثِ شرف و تکریم رہا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے قرآن پاک کے ہر اس نسخے کو جو کوفی رسم الخط میں کسی کھال پر لکھا ہوا پایا گیا اُسے "مصحف عثمانی" تصور کر لیا گیا۔ خواہ اس خیال کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔

فلسطین کے مشہور محقق جناب عبداللہ مخلص اس خیال کے مؤید ہیں کہ تاشقند میں موجود مصحف دراصل "مصحف عثمانی" ہے ان کی پیدائش حلب کے نواحی عینتاب میں ۱۲۹۶ھ / ۱۸۶۸ء میں ہوئی اور وفات فلسطین میں ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔ انھوں نے "مصحف عثمان"[۲] کے نام سے ایک مقالہ تحریر کیا ہے۔ اس مقالے میں وہ لکھتے ہیں:

"قرآن پاک کے ایک نادر نسخے کا سراغ محققین کو سب سے پہلے شہر سمرقند میں ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء میں ملا۔ قرآن مجید کا یہ قدیم اور نفیس نسخہ پیٹرس برگ (لینن گراڈ) کے امپیریل پبلک لائبریری میں محفوظ تھا۔ ترکستان کے گورنر جنرل کا ئیو فومان کے ذریعہ یہ نسخہ یہاں لایا گیا۔ روایت ہے کہ ایشیاء کوچک کے ایک مذہبی محقق نے اس قیمتی نسخہ کو مشہور ترکستانی صوفی بزرگ (حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ ۸۰۶ھ - ۸۹۵ھ) کی خدمت میں بطورِ تحفہ پیش کیا تھا۔ پھر یہ نسخہ عظیم فاتح تیمور لنگ کے زیرِ اہتمام ترکستان لایا گیا[۳]۔ یہ نسخہ قیمتی ہے اور نہایت عمدہ خط میں لکھا ہوا ہے کیونکہ اس کی مکمل کتابت خود خلیفہ راشد حضرت عثمان رضؓ نے کی تھی۔ اور اسی سے اس نسخہ کی اہمیت و قدر و قیمت واضح ہوتی ہے اور اسی سے اس وضاحت کے بعد ہر شخص اس نایاب اور گرانقدر نسخے کی صحیح قدر و قیمت سے آگاہ ہو جائے گا"

اس فلسطینی عالم کی عزت و تکریم کے باوجود ہم اس امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے بیان میں بعض امور حقیقت سے بعید ہیں۔ خاص طور سے ان کا یہ بیان کہ سمرقند کے اس مصحف کی کتابت حضرت عثمان رضؓ نے خود کی تھی۔ اس سے پہلے کسی بھی محقق نے یہ وضاحت نہیں کی ہے بلکہ تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مصحف عثمانی کی کتابت میں حضرت عثمان رضؓ نے بذاتِ خود

کوئی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ ان کی متعین کردہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے یہ کام انجام دیا تھا۔

عبداللہ مخلص نے اپنے اس مضمون میں، بڑی صراحت کے ساتھ اس مصحف کی نسبت عہدِ عثمانی کی طرف کی ہے۔ انھوں نے اپنی تحقیق میں مشہور روسی مستشرق شبونین پر اعتماد کیا ہے روس کا یہ مستشرق عالم شاہی ادارۂ آثارِ قدیمہ سے متعلق تھا۔ اس کا خیال ہے کہ اس مصحف کی کتابت اسلام کے ابتدائی دور میں ہوئی۔ اس کے نزدیک اونٹ کی کھال اور اس پر موجود تحریر کے مطالعہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف روس ہی کے ایک مستشرق کراٹشکوفسکی (KRATCHKOVSKI ۱۸۸۳ — ۱۹۵۱) نے اپنے رفیق اور ہم وطن شبونین کے خیال کی تردید کی ہے اس نے اس مصحف پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے جس میں اس کو دوسری صدی ہجری کا مخطوطہ قرار دیا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ صرف کراٹشکوفسکی ہی نے تاشقند کے اس نسخہ قرآن کو "مصحفِ عثمانؓ" تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ علامہ شہاب الدین مارجانی مصنف "ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق" اور دوسرے علماء نے بھی اس کے مصحفِ عثمان ہونے کی تردید کی ہے۔ علامہ مارجانی اپنی کتاب "الفوائد المہمۃ" میں رقمطراز ہیں: "اہلِ سمرقند و بخارا یہ بیان لغو ہے کہ سمرقند کے مدرسۃ الاحرار میں موجود مصحف ہی مصحف عثمانؓ ہے جسے ان کے جد امجد ابوبکر القفال شاسی اپنے ہمراہ لائے تھے اور جو ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو وراثتہً منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ شیخ عبیداللہ احرار تک پہنچا انھوں نے اسے اپنے مدرسہ میں محفوظ کر دیا"۔ بلاشبہ یہ مصحف ایک قدیم اور مقدس یادگار ہے لیکن واضح دلائل کی بنیاد پر ہمارے نزدیک یہ مصحف "مصحفِ امام" ہرگز نہیں ہے۔ علامہ مارجانی نے اپنے بیان کے حق میں جو دلائل دیئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے "ابو عبید قاسم ہروی متوفی ۲۲۴ھ/۸۳۸ء نے ذکر کیا ہے کہ اصل "مصحف عثمانؓ" میں کلمۂ "لا" سطر کے آخیر میں اور کلمۂ "حین" دوسری سطر کے شروع میں ہے ان کی مراد آیت کریمہ "لات حین مناص" سے ہے۔ علامہ موصوف نے سمرقند میں اس مصحف کا مشاہدہ کیا تھا لیکن اسے ابو عبید قاسم ہروی کے بیان کے مطابق نہیں پایا۔ اس مصحف میں کلمۂ "ت" متصل نہیں ہے اور کلمۂ "لا" بھی سطر کے آخیر میں نہیں ہے اسی طرح

دوسری سطر کے آغاز میں کلمہ "حین" بھی نہیں ہے۔ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں سمرقند پر روس کی فتح کے بعد یہ مصحف پیٹرس برگ لایا گیا ساتھ ساتھ وہ روایتیں بھی روس پہونچیں جو سمرقند میں اس مصحف کے بارے میں مشہور و مقبول تھیں اور وہاں کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوئیں۔ اور اس طرح اس کی شہرت میں بہت اضافہ ہوا۔ علامہ موصوف کی تحریک پر قسطنطنیہ سے شائع ہونے والے متعدد رسائل و جرائد میں اس غلط روایت کے سلسلہ میں تردیدی مضامین شائع ہوئے۔[۵]

شیخ اسماعیل مخدوم نے اپنی کتاب "المصحف العثمانی" میں علامہ مارجانی کا مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے ساتھ ہی اُس خط کا متن بھی درج کیا ہے جو علامہ مارجانی نے مذکورہ رسائل میں لکھا ہے تاریخی اہمیت کے پیش نظر خط کا پورا متن یہاں نقل کرنا بے موقع نہ ہوگا:

سلام مسنون! شہر سمرقند کے اندر خواجہ عبید اللہ احرار کی طرف منسوب مدرسہ میں اونٹ کی کھال پر کوفی رسم الخط میں لکھا ہوا قرآن مجید کا ایک قدیم نسخہ موجود ہے اس میں حروف کی علامات، اعراب، وقوف، آیات اور سورتوں کے نام وغیرہ کا کوئی اندراج نہیں۔ صفحات کے اخیر میں شفق رنگ کی سرخی ہے جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خون کے نشانات ہیں۔ اہلِ بخارا و سمرقند کا عقیدہ ہے کہ یہی وہ 'مصحفِ امام' ہے جو حضرت عثمان بن عفان کے استعمال میں تھا۔ سمرقند پر فوجی برتری حاصل کرنے کے بعد روسی اسے اپنے ساتھ لائے اور کئی مرتبہ فخریہ یہ اعلان کیا کہ یہی مسلمانوں کا مشہور 'مصحفِ امام' ہے۔ روس کے علماء بھی اس مصحف کو پڑھنے پر قادر نہیں ہیں۔ بلاشبہ یہ مصحف قدیم قرآنی مصاحف میں سے ایک ہے لیکن میں اسے 'مصحفِ امام' نہیں سمجھتا۔ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں جب میں سمرقند آیا تھا تو اس مصحف کا بغور مطالعہ کیا تھا اور پندرہ سال قبل ہی اپنے خیال کا اظہار اپنی کتاب "وفیات الاسلاف" میں ملا عبدالرحیم بن عثمان اوتوز ایمانی متوفی ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۵ء کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے کر چکا ہوں۔ سردست ان کی سوانح حیات سے متعلق اپنے خیالات کو مرتب کر کے بھیج رہا ہوں اگر آپ لوگ اس کو اپنے موقر رسالوں میں شائع کر دیں تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ اس سے روسیوں کے بیجا فخر کی حقیقت واضح

ہوجائے گی۔ میں نے اور شیخ التوزایمانی نے اس مصحف کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ہم دونوں کی رائے یہ ہے کہ یہ 'مصحفِ امام' نہیں ہے۔ اگر کبھی میرے اس مقالے کو آپ لوگوں نے شائع کردیا تو براہ کرم اس کی کچھ کاپیاں میرے پاس بھی ارسال فرمائیں کیونکہ ایک مرتبہ روسیوں نے امیر بخاری کے سفیر یحیٰی خواجہ سے اس مصحف کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بغیر کسی پس وپیش اور جھجھک کے اس کو "مصحف امام" قرار دے دیا چنانچہ روسیوں نے اسے مختلف رسالوں میں شائع کردیا۔"

شیخ مارجانی نے اپنی کتاب " وفیات الاسلاف " میں لکھا ہے" میں نے شیخ عبدالرحیم اولوتوزایمانی (متوفی ۱۲۵۱ھ) کی سوانح حیات لکھتے ہوئے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ شیخ مرحوم نے جب سمرقند میں اس مصحف کو دیکھا تو انھوں نے اس کی فوری اصلاح کی ضرورت محسوس کی تھی چنانچہ انھوں نے اس کے اوراق اور خطوط کو درست کیا جو صفحات ضائع ہو گئے تھے انھیں دوبارہ لکھا اور مختلف مقامات پر کٹے پٹے حروف کو ٹھیک کیا۔ انھوں نے اپنے اس تصحیحی کام میں اصل کی مطابقت کا پورا لحاظ رکھا۔ یہ مصحف ابوبکر قفال شاسی کے بعد نویں صدی ہجری کے آغاز تک قاہرہ میں موجود تھا یہاں تک کہ شیخ عبیداللہ احرار کے بعد بھی اسے وہاں پایا گیا۔ اس کا ذکر ابن جوزیؒ وغیرہ کے یہاں بھی ملتا ہے۔

اس صدی کے اوائل میں شیخ موسیٰ جاراللہ روستوفدوئی نے سمرقند اور ماوراالہند کے دوسرے شہروں کا سفر کیا تھا۔ شیخ موسیٰ " تاریخ القرآن والمصاحف " کے مصنف[۶] ہیں۔ شیخ نے اپنے مذکورہ سفر کی تفصیل اپنے سفرنامہ "السیاحۃ فیماوراءالنہر" میں درج کی ہے۔ وہ اپنے سفرنامہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں "پیٹرس برگ میں موجود مصحف جسے مصحفِ عثمانی سمجھا جاتا ہے سب سے پہلے سمرقند کے اندر خواجہ الاحرار کی مسجد میں پایا گیا۔ مصنف مزید لکھتے ہیں کہ میں نے پیٹرس برگ کے دورانِ سفر اس مقدس مصحف کی زیارت کی ہے مجھے پختہ یقین ہے کہ یہ مصحف 'مصحفِ امام' نہیں ہے۔ اس کا سب سے واضح ثبوت یہ ہے کہ اس کا سائز کافی بڑا ہے اور "مصحف امام" کے متعلق علماء نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ تقریباً ڈیڑھ بالشت چوڑا اور اس سے کچھ زیادہ لمبا تھا۔ اس طرح "مصحفِ عثمانی" کا سائز ہمارے زمانے کے متداول قرآنی مصاحف سے کچھ زیادہ بڑا رہا ہوگا۔ لیکن

اس کا سائز پیٹرس برگ کے مکتبہ میں محفوظ مصحف کے سائز کے بقدر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ "مصحف عثمانی" کے وجود کی کوئی صحیح خبر ان کی شہادت کے بعد دستیاب نہیں ہوسکی ہے صرف چند علماء کا یہ خیال ہے کہ ان کی شہادت کے بعد وہ ان کے صاحبزادے حضرت خالدؓ کے پاس موجود تھا۔ ان کے بعد کیا ہوا؟ یہ معلوم نہیں ہوسکا۔

ابھی تک ہم نے صرف ان علماء اور محققین کے خیالات کو پیش کیا ہے جن کو اس مصحف کے "مصحفِ عثمانی" ہونے پر شک اور تردد ہے علمی دیانتداری کا تقاضہ ہے کہ ان علماء کے خیالات کو بھی پیش کیا جائے جو اس نسبت کو صحیح سمجھتے ہیں یا کم از کم اسے ترجیح دیتے ہیں۔ "مجمع اللغۃ العربیۃ" دمشق کے سابق صدر جناب جعفر حسنی محققین کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو اس نسبت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ انھوں نے مجلۃ المجمع العلمی العربی" میں "مصحفِ عثمانی" کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالرحمان کیالی کے مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی اس رائے کا اظہار کیا تھا۔ ڈاکٹر کیالی کا مضمون بھی اسی عنوان سے اسی رسالہ میں شائع ہوا ہے۔

شیخ حسنی اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں:۔ "میں نے سمرقند میں خواجہ احرار کی مسجد میں موجود مصحف کے متعلق سنا ہے لیکن اسے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ میرا خیال ہے کہ مقالہ نگار نے اپنی بات کو علمی انداز سے پیش کرنے کے بجائے صرف اہل بخارٰی و سمرقند کی روایتوں پر اعتماد کرلیا ہے۔ اس مصحف کے وزن اور حجم سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عام استعمال کے لئے نہیں تھا۔ کیونکہ یہ قاری کی گود میں نہیں آسکتا ہے اور اس کا حمل و نقل بھی نہایت دشوار ہے۔ میرے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ یہ مصحف بھی ان مصاحف میں سے ایک ہے جن پر اعتماد کر کے مصاحف کے نقل کرنے والے نقل کرتے رہے ہیں۔"

ڈاکٹر عبدالرحمان کیالی نے اپنے اسی مضمون میں جس پر جعفر حسنی نے تبصرہ کیا ہے ایک اور مصحف کا تذکرہ کیا ہے جو حمص (شام) کے قلعہ میں محفوظ تھا اور جو مختلف ہاتھوں سے گزرتا ہوا آستانہ پہنچا جہاں اسے اسلامی اوقاف کے میوزیم میں محفوظ کردیا گیا۔ اس مصحف کو بھی حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس پر بھی ان کی شہادت کے خون کے نشانات بتائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر کیالی نے اپنے مقالے کا اختتام اس سوال پر کیا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے

کہ سیدنا عثمان رضؓ کے دو مصحف رہے ہوں اور دونوں پر ان کی شہادت کے نشانات ہوں ایک سمرقند میں اور دوسرا آستانہ (ترکی) میں۔

سوویت یونین کے مشہور اور ممتاز عالم دین جناب شیخ مخدوم اسماعیل کو جن کی کتاب "تاریخ المصحف العثمانی فی طاشقند" ہے اس کا یقین ہے کہ یہ مصحف وہی "مصحفِ عثمانی" ہے جس کی تلاوت کرتے ہوئے ان کی شہادت ہوئی تھی۔ وہ اپنی مذکورہ کتاب کے اختتام پر لکھتے ہیں "ہم کو اس دعوی کا پورا حق ہے کہ ہمارا مصحف بھی مصاحف عثمانی میں سے ایک ہے۔

مشہور قول یہی ہے کہ مثبت بات کو منفی پر ترجیح دینی چاہئے۔ واللہ اعلم

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاشقند کا یہ مصحف اصل مصحف عثمانی ہے یا اس کی نقل یا عکس ہے؟ اس سوال کے ابھرنے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ مصحف دنش سے زائد افراد کے ہاتھوں میں گیا ہے اور سمرقند پہنچنے سے قبل یہ دس سے زائد شہروں کا سفر کر چکا ہے۔

عبداللہ مخلص نے بیروت کے مذکورہ رسالہ "الکشاف" میں لکھا ہے: روس کا انقلاب ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء میں آیا۔ انقلاب کے بعد مسلمانانِ روس نے پیٹرس برگ میں محفوظ اس مصحف کو حاصل کرنے کا مطالبہ تیز کر دیا اس لئے کہ دوسروں کے بالمقابل یہ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ ان کی کوشش کامیاب ہوئی اور ان کے مطالبہ کو منظور کر لیا گیا اور انھیں اس مصحف کو ترکستان لے جانے کی اجازت دے دی گئی لیکن ان لوگوں کا حسین خواب مصحف کے اثنا راہ گم ہو جانے سے شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور آج تک اس کا کوئی سراغ نہیں لگ سکا ہے۔

پھر عبداللہ مخلص بڑے پرسوز انداز میں لکھتے ہیں "اس عظیم نقصان کی تلافی جسے ہر فرد محسوس کرتا ہے صرف اس مصحف کی نقل سے ہو سکتی ہے جسے پیٹرس برگ (لینن گراڈ) کے ماہرین آثار قدیمہ کی ایک ٹیم کے توسط سے ۲۶ مئی ۱۹۰۴ء کو حاصل کیا گیا تھا۔ یہ مصحف اصل مصحفِ عثمانی کی نقل ہے اس پر انجمن ماہرین آثار قدیمہ کے صدر نے اپنا دستخط کیا ہے اور اس کے پہلے صفحے پر روسی اور فرانسیسی زبان میں اس مصحف کا نام اور تعارف اس طرح لکھا ہے "کوفی رسم الخط میں قرآن پاک، جو اپنے اس اصلی نسخے سے نقل کیا گیا ہے جس کی کتابت خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضؓ (۶۴۴ء۔ ۶۵۶ء) نے اپنے دست مبارک سے کی تھی اور پیٹرس برگ کے عمومی

شاہی کتبخانہ میں محفوظ تھا۔ یہ نسخہ انجمن آثار قدیمہ کی اجازت سے پیٹرس برگ میں موسیو بیزار لیف کے ذریعہ نقل کرایا گیا۔ اس کی تکمیل پیٹرس برگ میں ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو ہوئی۔[۹]

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ مذکورہ بالا تعارف میں تاریخ کی صراحت تحقیق و تدقیق کے ساتھ نہیں کی گئی ہے اور یہ طریقہ مستشرقین کے معروف طریقۂ تحقیق کے بالکل برخلاف ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۲۳ھ/۶۴۴ء میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور ۳۵ھ/۶۵۶ء میں شہید ہوئے۔ جمع قرآن کا عمل خلافت کے دوسرے سال ۲۵ھ/۶۴۵ء میں شروع ہو گیا تھا۔ ہم اس سے قبل اشارہ کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیا تھا انھوں نے اس کی کتابت خود اپنے ہاتھ سے نہیں کی تھی بلکہ اس کام کو ان کی متعین کردہ چار رکنی کمیٹی نے انجام دیا تھا۔

عبداللہ محقق اس علمی کام کو جس کی وجہ سے عہد جدید کے مؤرخین کو مذکورہ مصحف کی بحث و تحقیق میں کافی مدد ملی ہے سراہتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس مصحف کی طباعت میں زبردست اہتمام کیا گیا یہاں تک کہ اس کی آیات کے مابین فواصل کو انھیں رنگوں سے ظاہر کیا گیا جو اصل "مصحف عثمانی" کی نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ اس طرح یہ مصحف جدت اور فن کاری کا بہترین نمونہ بن گیا۔ کل ۳۵۳ صفحات ہیں ہر صفحہ ۹ سینٹی میٹر چوڑا اور ۶۹ سینٹی میٹر لمبا ہے۔ اس کا وزن ۱۸ کلوگرام ہے۔ اس کی جلد دیدہ زیب اور پائیدار ہے جلد پر مندرجہ ذیل عبارت بھی لکھی گئی ہے۔

"اس مصحف کے صرف پچاس نسخے تیار کئے گئے ہیں جن میں پچیس برائے فروخت ہیں ایک نسخہ کی قیمت سو جنیہ ہے"۔[۱۰]

مذکورہ بالا تفصیل کے پیشِ نظر ہم اس نتیجے تک پہنچنے میں حق بجانب ہیں کہ تاشقند میں موجود مصحف قدیم اور گمشدہ مصحف عثمانی کا عکس ہے۔ جہاں تک اس گمشدہ مصحف کا تعلق ہے تو اسکا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ "وفوق کل ذی علم علیم"

اس بات کا اعتراف ناگزیر ہے کہ مؤرخین نے 'مصحف عثمانی' کے تاشقند پہنچنے سے قبل اس کے تاریخی مراحل کے متعلق جن روایات پر اعتماد کیا ہے وہ تاریخی حقائق کے بالمقابل قومی روایات سے زیادہ قریب ہیں اگر کوئی شخص ان روایات میں سے صحیح واقعات کا انتخاب کرنا چاہے تو اسے

سخت حیرت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے باوجود ہم بعض حکایتوں کا تذکرہ کریں گے تاکہ ہماری یہ کوشش ہر پہلو سے مکمل ہو جائے۔ اس سے ہمارے بعد آنے والے ان علما کو بھی مدد ملے گی جو راویوں کے شخصی جذبات سے مخلوط اور منتشر ذخیرۂ معلومات میں سے حقائق کا انتخاب کرنا چاہیں گے۔

اس مصحف کے تاریخی سفر پر اپنی گفتگو کا آغاز ہم اس کے ان مراحل کے ذکر سے کریں گے جن پر ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ/۸۸۹ء) نے گفتگو کی ہے۔ وہ اپنی کتاب "عیون الاخبار" میں لکھتے ہیں: "وہ مصحف جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت ان کے پاس موجود تھا اور بعد میں ان کے صاحبزادے حضرت خالدؓ کو ملا اور پھر ان کے بعد ان کے لڑکوں میں وراثتاً منتقل ہوتا رہا اس کے متعلق مجھ سے شام کے بعض مشائخ نے بیان کیا ہے کہ وہ اس وقت ارضِ طوس میں موجود ہے، جب میں نے یاقوت رومی حموی کی کتاب "معجم البلدان" کی طرف رجوع کیا تو میں نے انھیں طوس نام کے دو مقامات کا ذکر کرتے ہوئے پایا ایک طوس سرزمینِ عجم میں اور دوسرا شہر بخارٰی کے گرد و نواح میں جس کی طرف بعض اہلِ علم منسوب ہیں مثلاً ابو جعفر رضوان بن عمران الطوسی جنہوں نے اسباط بن یسع اور ابو عبداللہ بن ابی حفص سے روایت کی ہے اور جن سے خلف بن محمد بن اسماعیل الخیام نے روایت کی ہے۔"[۱۰]

ہمیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ابن قتیبہ کی مراد اپنے مذکورہ بیان سے طوسِ عجم ہے یا طوسِ بخارٰی۔ گمان غالب یہی ہے کہ ان کا مقصود طوسِ بخارٰی ہوگا۔ ہم نے یہ نتیجہ مندرجہ ذیل واقعات سے اخذ کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ "تحفۃ النظار فی غرائب الامصار وعجائب الاسفار" میں مدینۃ البصرۃ کے عنوان کے تحت ایک جگہ لکھا ہے: "بصرہ کے لوگ بہت با اخلاق اور مہمان نواز ہیں کوئی مسافر ان کے درمیان اجنبیت محسوس نہیں کرتا وہ لوگ امیر المومنین حضرت علیؓ کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، یہ مسجد صرف جمعہ کے دن نماز کے لئے کھولی جاتی ہے، یہ مسجد انتہائی حسین اور خوبصورت ہے اس کا صحن بہت کشادہ اور فرش وادیٔ سباع کی سرخ کنکریوں کا ہے اس مسجد میں وہ مبارک مصحف بھی ہے جس کی حضرت عثمانؓ شہادت کے وقت تلاوت فرما رہے تھے اس مصحف کے اُس صفحے پر خون کا نشان جو مات پڑ چکا ہے۔ اب بھی موجود ہے جس میں آیت "فسیکفیکھم اللہ" درج ہے۔"[۱۱]

ہم کو یہ معلوم ہے کہ ابنِ بطوطہ کی وفات ۷۷۸ھ/۱۳۷۵ء میں ہوئی ہے۔

محمد امین خانجی نے اپنی کتاب "معجم العمران فی المستدرک علی معجم البلدان" جو دراصل یاقوت حموی کی کتاب کا تتمہ ہے، اس مصحف پر گفتگو کے دوران لکھا ہے: "مذکورہ مصحف بعد میں بصرہ سے سمرقند اور سمرقند سے روس منتقل کیا گیا۔ وہ اس وقت پیٹرس برگ کے مکتبہ میں موجود ہے"[۱۲]، محمد امین خانجی اس صدی کی تیسری دہائی میں زندہ تھے، انھوں نے یہ بات اگر مستند ماخذ کی بنیاد پر کہی ہے تو اس مصحف کے روس پہنچ جانے کا دعویٰ کرنا خارج از امکان اور بے بنیاد نہیں ہو سکتا۔

سلطان ملک ظاہر بیبرس بندقداری (متوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) کے متعلق مؤرخین کا بیان ہے کہ ان کے تعلقات شاہ برکت خان[۱۳] بن جوجی خاں بن چنگیز خاں (متوفی ۱۲۶۶ء) سے بہت خوشگوار تھے۔ ابن تغری بردی نے اپنی کتاب "النجوم الزاھرۃ فی ملوک مصر والقاھرۃ" میں لکھا ہے کہ برکت خاں کی سلطنت کافی وسیع اور ہماری سرحد سے بہت دور تھی، اس کی فوجیں کثیر تعداد میں تھیں وہ مسلمانوں کی طرف بہت زیادہ مائل تھا اور ان کے علماء و بزرگوں کی کافی عزت کرتا تھا اس کے اور اس کے چچازاد بھائی ہلاکو خاں کے درمیان محض اس بات پر اختلاف پیدا ہوا اور جنگ بھی ہوئی کہ اس نے خلیفہ معتصم باللہ اور دیگر مسلمانوں کو ناحق قتل کر دیا تھا۔ بعد میں وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ ایمان لایا اس نے کثیر تعداد میں مساجد کی تعمیر کا حکم دیا اور اپنے شہروں میں نمازِ جمعہ کا باقاعدہ اہتمام کرایا[۱۴]۔ یہ روایت بھی معروف ہے کہ سلطان ملک ظاہر بیبرس بندقداری نے برکت خاں کو ایک خط کے ساتھ کچھ تحفے بھی بھیجے۔ ان تحائف میں حضرت عثمانؓ کا مصحف بھی تھا جو ان کے اپنے خط میں تھا۔ نویری کا بیان ہے کہ وہ مصحف "عثمانی مصاحف" میں سے ایک تھا۔ انھوں نے اس مصحف کے غلاف اور رنگ کے متعلق بھی کچھ وضاحتیں کی ہیں۔

شیخ محمد مراد بن عبداللہ رمزی بلغاری نے جن کی وفات ۱۹۴۰ء میں ترکستان میں ہوئی۔ اپنی کتاب (تلفیق الاخبار فی تاریخ قزان والبلغار ۶۱) میں لکھا ہے کہ وہ مصحف جس کے متعلق مصحفِ عثمان ہونے کا خیال عام ہے اور جسے بعد میں سمرقند سے پیٹرس برگ لا کر شاہی کتب خانہ میں محفوظ کر دیا گیا، کچھ بعید نہیں کہ یہ وہی مصحف ہو جس کو تیمور لنگ اپنے ہمراہ "سرائے"[۱۵] سے "سمرقند" اس وقت لایا جب اسے نوقتامش خان سے جنگ کے دوران "سرائے" پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ چونکہ یہ بات بعید

از امکان نہیں ہے اس لئے اس کو بلا کسی مضبوط دلیل اور حجت کے رد نہیں کرنا چاہئے۔ شیخ اسماعیل مخدوم نے اپنی کتاب "تاریخ المصحف العثمانی فی طاشقند" میں اس کی صراحت کی ہے کہ یہ مصحف سمرقند ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں لایا گیا۔

ہم نے اس مصحف کے روس پہنچنے سے متعلق تمام مورخین کے اقوال کا تذکرہ کر دیا ہے ان اقوال سے متعلق ہم نے یہ پہلے ہی عرض کر دیا ہے کہ یہ حقائق اور افسانوی روایات کے مجموعہ ہیں۔ ہم اس مصحف کے تاریخی سفر سے متعلق اپنے جائزے کا اختتام حلب کے ممتاز اور مشہور عالم دین ڈاکٹر عبدالرحمان کیالی کی گفتگو پر کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں[۱۴]: میں نے مجلہ بلاد الصوفیات" کے ۵ر جولائی ۱۹۶۳ء کے شمارہ میں" مخطوط مند ۱۳۰۰ سنۃ "(تیرہ سو سال کا ایک قدیم مخطوطہ) کے عنوان پر ایک مقالہ پڑھا جو میرے لئے دلچسپی کا باعث ہوا۔ ڈاکٹر کیالی صاحب اپنے مقالے کے آخیر میں لکھتے ہیں: "تاریخ ہمیں اس دور سے متعلق مکمل معلومات فراہم نہیں کرتی جس میں قرآن مجید کا یہ قدیم نسخہ جو "مصحف عثمان" کے نام سے مشہور ہے سمرقند پہنچا۔"

روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ عفان نے اس مصحف کو بذات خود جمع کیا۔ ان کی شہادت کے وقت یہ مصحف ان کے ہاتھ میں موجود تھا چنانچہ اس پر ان کے خون کے چھینٹے پڑے۔ تیمور لنگ کے ایک کامیاب حملہ کے بعد یہ مصحف اموال غنیمت کے ساتھ بھی سمرقند لایا گیا اس کی اہمیت کے پیش نظر تیمور نے اسے اپنے ذاتی کتب خانہ میں رکھا۔ اس کے برخلاف ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخہ کو سمرقند لانے والے عبیداللہ الاحرار ہیں جن کو یہ مصحف کسی خلیفہ نے ان کے کامیاب علاج سے خوش کر بطور ہدیہ عنایت فرمایا تھا۔

بہر حال حقیقت واقعہ جو بھی ہو یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ جب زار روس کی فوجوں نے ترکستان پر حملہ کیا تو یہ مصحف ولی اللہ احرار کی مسجد واقع سمرقند میں موجود تھا۔ ۱۸۶۹ء میں اس نادر نسخے کو جنرل کائیو فومان نے سمرقند سے پیٹرس برگ منتقل کر دیا اس منتقلی کے اسباب خود اس کے الفاظ میں یہ تھے: "مسلمانوں کے یہاں اس قرآن مجید کی کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہے کیونکہ اس کی حیثیت ایک روایتی اور قومی دستاویز کی ہے جو صرف امرا بخارا کے ساتھ مخصوص ہے۔ کوئی شخص اسے پڑھ نہیں سکتا ہے سیکڑوں سال سے یہاں موجود ہے لیکن اس کا کوئی مصرف نہیں۔"

یہ مصحف پیٹرس برگ میں نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک رہا اشتراکی انقلاب کے بعد روس کے مسلمانوں نے لینن سے اس مصحف کو اس کے قدیم مالکین کو واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس وقت لینن ملک کے دفاع میں اور جنگ کے باعث زوال پذیر معیشت کو بہتر بنانے میں مشغول تھا تاہم اس نے اس مطالبہ پر خاطر خواہ توجہ دی اور اس کی فوری واپسی کا حکم صادر کردیا۔

پیٹرس برگ پہنچنے کے بعد اس مصحف پر کچھ گذری اس کے بارے میں بعض باتیں جن کی طرف ڈاکٹر صبحی صالح نے توجہ دلائی ہے غور طلب ہیں۔ ڈاکٹر صبحی صالح شام کے شہر طرابلس کے باشندہ ہیں اور بیروت کی لبنانی یونیورسٹی میں استاذ ہیں وہ اپنی کتاب "مباحث فی علوم القرآن" میں اس مصحف سے متعلق بیان کرتے ہیں" بعض محققین کا خیال ہے کہ "یہ مصحف ایک عرصہ تک شاہانِ روس کی زیرِ نگرانی کتب خانہ لینن گراڈ میں رہا پھر اسے انگلستان منتقل کردیا گیا"[۱۷] لیکن "تاریخ المصحف العثمانی فی طاشقند" کے مؤلف نے ڈاکٹر صبحی صالح کی کتاب میں اس خبر کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔

توبادیو نے "اللغة العربية فی المملكة الروسية" کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے: انقلاب کی آگ بھڑکنے کے بعد مسلمانوں نے اس مصحف کا مطالبہ کیا جسے کیرنسکی کی عارضی حکومت نے تسلیم کرلیا۔ چنانچہ ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ یہ مصحف شہر اوفا لے جایا گیا شہر اوفا شمالی روس کے مسلمانوں کا دار الافتاء رہا ہے[۱۸]

اشتراکی انقلاب کے اوائل اور عارضی حکومت کے زمانے ہی میں بعض مسلمان فوجی دستوں کی شکل میں نکلے وہ مصحف عثمان کو مکتبہ لینن گراڈ سے بزور طاقت حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوسکے۔ ماہ اکتوبر کے اشتراکی انقلاب کے بعد مسلمانوں نے پیٹرس برگ میں ایک مقامی مجلس مشاورت قائم کی پھر اسی مجلس مشاورت کو مصحف کے واپس لانے کی تمام ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ اس مجلس نے یہ طے کیا کہ اس مصحف کو نئی حکومت سے تمام قانونی اور شرعی طریقوں کو استعمال کرکے حاصل کیا جائے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی درخواست لینن کے پاس پہنچی تو اس نے ان کی درخواست پر فوری توجہ دی اور اسے منظور کرتے ہوئے مصحف کو شاہی کتبخانہ سے نکال کر انھیں حوالہ کرنے کا حکم دے دیا۔ ذیل میں ہم لینن کا وہ خط شائع کر رہے ہیں جو اس نے

۹ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو اناطولی وسیلیوچ بوناجارسکی کے نام لکھا تھا۔

بنام کمیسار برائے تعلیمات اناطولی وسیلیوچ بوناجارسکی ۹ر دسمبر ۱۹۱۷ء "پیٹرس برگ"

پیٹرس برگ کے مسلمانوں کی مقامی مجلس مشاورت کی طرف سے قومی کمیساریت کے آفس میں ایک خط موصول ہوا ہے جس میں تمام روسی مسلمانوں کی طرف سے اس مقدس مصحف کو ان کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے جو حکومت کے عمومی شاہی کتبخانہ میں محفوظ ہے۔ مجلسِ مشاورت نے اس قرارداد کے عملی نفاذ کی ذمہ داری صدر مجلسِ مشاورت عثمان ہدایتوچ توقتیتوف جو تمام روسی مسلمانوں کی عسکری شوریٰ کے بھی صدر ہیں اور ممبر پارلیمنٹ کریم محمدی وچ سیکتیوف کے سپرد کی ہے۔

چونکہ قومی کمیساریت کی کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ اس مقدس مصحف عثمانی کو بلا تاخیر مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس لئے جلد سے جلد اس فیصلے کو عملی شکل دی جائے۔

صدر قومی کمیساریت

۱۰۹۔ اولیالوزف لینن شنشوں

چونکہ روفا اور اس کے قریبی علاقوں باشکیریہ اور تاتاریہ کے مسلمانوں کی مخصوص کوششوں سے مصحف مرکزی حکومت کی تحویل سے نکال کر ان کے اپنے دینی ادارے میں محفوظ کر دیا گیا تھا اس لئے وہ اس مصحف کو ہمیشہ ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کو اپنا جائز حق سمجھتے تھے اس کے برعکس ترکستان کے علاقوں مثلاً بخارا، سمرقند، تاشقند اور فرغانہ کے مسلمان اپنے آپ کو تاریخی حقائق کی بنیاد پر اس مصحف کا صحیح وارث سمجھتے تھے۔ چنانچہ مصحف کے حصول کے لئے فریقین کے درمیان شدید کشمکش پیدا ہو گئی اور معاملہ تقریباً بحث و تکرار سے آگے بڑھ کر جنگ و قتال تک پہنچنا چاہتا تھا لیکن عین موقع پر لینن نے مداخلت کر کے ازبکیوں کے حق میں قطعی فیصلہ دے دیا یہ واقعہ ۱۹۲۳ء کا ہے اس کے دوسرے سال ۱۹۲۴ء میں تاشقند شہر کے دینی شعبہ کی طرف سے مسلمان علماء کا ایک وفد اوفا شہر آیا جہاں ایک انتہائی پررونق اور عظیم الشان جشن میں مصحف ان کے حوالہ کر دیا گیا۔ اس جشن میں باشکیریا کے وہ علماء بھی شریک تھے جنہوں نے لینن کی خواہش کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصحف کو واپس کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ اسی سال ۸ر اگست کو علماء

تاشقند اس مصحف کو اپنے سروں پر رکھ کر لے آئے اور اسے ایک مخصوص ہال میں رکھ دیا۔ جہاں یہ ۱۹۲۶ء تک رہا۔ پھر اس کے بعد اسی سال حکومت نے ایک مخصوص فرمان جاری کر کے اس مصحف کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر اسے قومی آثارِ قدیمہ کے میوزیم میں محفوظ کر دیا۔ یہ قدیم اسلامی سرمایہ مذکورہ میوزیم میں جس کا سرکاری نام "روزبک علمی اکیڈمی" ہے آج بھی موجود ہے یہ میوزیم سوق جباب کے پاس واقع ہے ازبکستان میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا میوزیم ہے۔

روسی مسلمانوں کو مصحف عثمانی کے بعض اجزا کو بطور تبرک اپنے پاس رکھنے کی شدید خواہش تھی جس کے باعث انھوں نے مصحف کے بعض اوراق یا اوراق کے بعض ٹکڑوں کو پھاڑ لینے سے دریغ نہیں کیا۔ موجودہ میوزیم میں آنے سے قبل یہ مصحف تاشقند کی جمعیت اسلامی کی زیرِ نگرانی تھا۔ اسی وقت پھاڑنے کا یہ عمل بکثرت ہوا۔ یہاں تک کہ چوری، لوٹ کھسوٹ اور ضائع ہونے کے بعد اس کے ۳۵۳ اوراق میں سے صرف ۱۵ اوراق محفوظ رہ گئے تھے۔ ذمہ داروں نے تلف شدہ اوراق کی جگہ نئے اوراق لگائے اور شکستہ اوراق کی از سرِ نو اصلاح کرائی۔ مصحف کے باقی ماندہ ۱۵ اوراق دبیز، ٹھوس اور خوبصورت کھال کے ہیں۔ جن کے سامنے کا حصہ چمکدار اور زرد ہے جبکہ اس کے پشت کا حصہ سفید چاندی کا ہے۔

۱۸۹۰ء کے دوران جب یہ مصحف پیٹرس برگ میں تھا تو اس کے اوراق ۳۵۳ تھے گویا اس کے کل صفحات ۷۰۶ تھے اس کے ہر ورق کا سائز ۲۸ سینٹی میٹر لمبا اور ۵۳ سینٹی میٹر چوڑا تھا۔ بعد میں نقصان کی تلافی کے لئے ۶۹ صفحات کا مزید اضافہ کیا گیا۔ ۳۵۳ صفحات میں سے ہر صفحے میں کل ۱۲ سطریں تھیں۔ جن میں یکسانیت اور تناسب تھا۔ صفحات کی لمبائی چوڑائی ۶۸ × ۵۳ سینٹی میٹر ہیں۔ ان میں سے ہر ۱۸ یا ۱۰ صفحات کی جزبندی الگ سے کی گئی ہے۔

اس گرانقدر اسلامی مصحف کی مکمل حفاظت کے پیشِ نظر ذمہ داروں نے کچھ ٹھوس انتظامی اور فنی ضابطے وضع کئے ہیں وہ ان ضابطوں پر احتیاط اور ہوشمندی سے عمل کرتے ہیں۔ تاکہ یہ مخطوطہ مدتِ دراز تک محفوظ رہ سکے اور آنے والی نسلیں اس کا مشاہدہ کر کے برکت حاصل کریں۔ یہ مصحف لوہے کے ایک صندوق میں رکھا ہوا ہے جس کا مضبوط فولادی دروازہ بہت دھیرے دھیرے کھلتا ہے۔ اس کے اندر قیمتی لکڑی کا ایک ڈبہ اور بلور کا ایک ایسا صاف

شفاف اور باریک برتن ہے جس میں کافور کی آمیزش ہے اس لئے کہ بعض نہایت مضر کیڑوں اور مکوڑوں سے جن سے مخطوطات کو شدید خطرہ لاحق رہتا ہے صرف کافور ہی سے حفاظت کی جاسکتی ہے۔ اس مصحف کی زیارت صرف اس کے ذمہ دار نگراں کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔
جب اُس ڈبے کو احتیاط کے ساتھ کھولا جاتا ہے تو اس کے اندر مخمل سے ڈھکی ہوئی سیاہ اور مضبوط کھال کا ایک تھیلا نظر آتا ہے اس تھیلے میں مصحف شریف رکھا ہوا ہے اس مصحف کو صندوق سے باہر نکالنا نہایت سختی سے ممنوع ہے کیونکہ ہوا کے اثر سے اس کے رنگ کے تبدیل ہونے اور اس کے اندر خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس مصحف کی حفاظت کے لئے ہمیشہ عملی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں ایک مخصوص کیمیائی گیس ، سے اس کی بار بار صفائی کی جاتی ہے یہ کام ایک ماہرِ فن ملازم انجام دیتا ہے۔

یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ پیٹرس برگ کے محکمہ آثار قدیمہ نے ۱۹۰۵ء میں اس مصحف کی کچھ فوٹو کاپیاں تیار کی تھیں۔ ان میں سے کچھ کاپیاں ہدیے کے لئے اور کچھ فروخت کے لئے مخصوص کردی گئی تھیں جب وسط ایشیا اور قازاخستان کے مسلمانوں نے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں ایک مذہبی ادارہ قائم کیا تو اس ادارہ نے مصحف کی از سرِ نو فوٹو کاپیاں تیار کرنے کا پروگرام بنایا تاکہ دنیا کے مسلمانوں کو اسے بآسانی فراہم کیا جاسکے۔ اس ادارے نے اپنے ایک سرگرم کارکن شیخ اسماعیل مخدوم کو اس مصحف کی تاریخ، موضوع اور اس کے اوصاف پر مشتمل ایک کتاب تالیف کرنے کی ذمہ داری دی۔ جسے انھوں نے بحسن و خوبی انجام دیا۔[۱۹]

حواشی و حوالہ جات

۱ے مصطفی صادق رافعی، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ دار المعارف مصر ۱۹۶۵ء ص ۳۸

۲ے مجلۃ الکشاف، بیروت ربیع الاول ۱۳۴۵ھ/ اپریل ۱۹۲۷ء

۳ے مقالہ نگار کا یہ جملہ تاریخی اعتبار سے محل نظر ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار کی پیدائش ۸۰۶ھ/۱۴۰۳ء میں ہوئی اور تیمور لنگ کا انتقال ۸۰۷ھ/۱۴۰۵ء میں ہوا۔ اس طرح تیمور لنگ کے انتقال کے وقت خواجہ عبید اللہ احرار کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی۔ اس صغر سنی میں ان کا صوفی بزرگ کی

حیثیت سے مشہور ہو جانا خارج از امکان ہے۔

۴؎ سورۂ ص : ۳

۵؎ حقائق الوقائع ربیع الاول ۱۲۸۹ھ، بصیرہ صفر ۱۲۸۹ھ، جریدۃ الحوادث ذی الحجہ ۱۲۸۸ھ

۶؎ تاریخ القرآن والمصاحف مطبوعہ پیٹرس برگ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء

۷؎ جعفر حسنی، مجلۃ المجمع العلمی العربی جلد ۳۹، شعبان ۱۳۸۳ھ

۸؎ ڈاکٹر عبدالرحمان کیالی، مجلہ المجمع العلمی العربی جلد ۳۸، شمارہ نمبر ۴

۹؎ الکشاف، بیروت ربیع الاول ۱۳۴۸ھ/ اپریل ۱۹۲۷ء

۱۰؎ یاقوت حموی، معجم البلدان، دار صادر بیروت ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء۔ ص ۵

۱۱؎ ابن بطوطہ، رحلۃ ابن بطوطہ دار بیروت ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء ص ۱۸۶

۱۲؎ محمد امین خانجی، معجم العمران فی المستدرک علی معجم البلدان، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء ص ۱۳۵

۱۳؎ برکۃ خان کی ولدیت کے سلسلے میں تاریخی کتابوں کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے جس کو مشہور مورخ ابن تغری بردی نے اس طرح ظاہر کیا ہے: برکۃ خاں بن توشی بن چنگیز خاں:۔ التکملۃ عن تاریخ الاسلام، برکۃ بن صاین خان بن دوشی خاں بن چنگیز خاں:۔ عقد الجمان، برکۃ خان بن لوتلی خاں بن چنگیز خاں:۔ عیون التواریخ، برکۃ خاں بن دوشی خاں: السلوک

ملاحظہ ہو ابن تغری کی کتاب "النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ" ۷:۔ ص ۲۲۲

۱۴؎ جمال الدین ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی الاتابکی، النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، دار الکتب المصریۃ ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء ۷:۔ ص ۲۲۲

۱۵؎ "سرای" مغلوں کا آباد کردہ مشہور شہر ہے جو عرصہ تک ان کا پایۂ تخت رہا اس شہر کی بنیاد چنگیز خاں نے رکھی تھی۔ اور اس کی تکمیل برکۃ خاں کے ذریعہ ہوئی۔ برکۃ خاں کا سالِ وفات ۶۶۵ھ ہے۔ "النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ" دار الکتب المصریۃ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء ۱۰ : ص ۳۳۲

۱۶؎ ڈاکٹر عبدالرحمان کیالی مجلۃ المجمع العلمی العربی" جلد ۳۸ شمارہ ۴

۱۷؎ ڈاکٹر صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن دار العلم بیروت پانچواں ایڈیشن ص ۸۹

۱۸؎ مجلۃ المجمع العلمی العربی بدمشق ۱۹۲۴ء

۱۹؎ المورد، الجمہوریۃ العراقیۃ، جلد ۹، شمارہ ۴ ۱۹۸۰ء (المورد (عراق)، ۹/۴، ۱۹۸۰)